اور یہ امر کہ میں کسی بھائی کے ساتھ اس کی ضرورت پوری کرنے کی خاطر چلوں، مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں اس مسجد (نبویؐ) میں ایک مہینہ اعتکاف کروں اور جس نے اپنے غصہ کو پی لیا اگر وہ چاہتا تو اس کو پورا کر لیتا تو اس کے دل کو اللہ قیامت کے روز اپنی رضا سے بھر دے گا اور جو اپنے بھائی کے ساتھ اس کی ضرورت پوری کرنے کی خاطر چلا یہاں تک کہ وہ پوری کر دی تو اللہ اس کے قدموں کو اس دن ثبات بخشے گا جب قدم لڑکھڑا رہے ہوں گے (یعنی قیامت کے دن)۔

۲- دکھ درد میں شرکت

اپنے بھائی کی اعانت اور حاجت روائی اور اس کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی اصل بنیاد یہ ہے کہ ایک کا دکھ درد دوسرے کا دکھ درد ہو۔ ایک شخص اگر دوسرے کی تکلیف محسوس کرے تو دوسرا بھی اس کو اتنی ہی شدت سے محسوس کرے اور جس طرح جسم کا ایک عضو دوسرے تمام اعضاء کی تکلیف میں شریک رہتا ہے اسی طرح ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی تکالیف میں شریک رہے۔

رسول اللہؐ نے کئی مثالوں سے اس امر کو واضح کیا۔ مثلاً ایک دفعہ آپؐ نے یہ فرمایا کہ:

تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَآدِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَكٰى عُضْوًا تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهْرِ وَالْحُمّٰى۔ (بخاری و مسلم عن نعمان بن بشیر، مشکوٰۃ: ۴۲۲)

تم مومنوں کو باہم رحم دلی، باہم الفت و لگاؤ اور باہم تکلیف کے احساس میں ایسا پاؤ گے جیسے ایک جسم۔ اگر ایک عضو بیمار پڑ جائے تو سارا جسم اس کے بخار اور شب بیداری کے ذریعہ شرکت کرتا ہے۔

اسی طرح ایک روایت میں آپؐ نے اس کی مزید تشریح یوں کی کہ ایک مومن معاشرہ میں ایسا ہوتا ہے جیسے جسم میں سر، جس طرح درد سر کی وجہ سے تمام جسم تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے۔ اسی طرح مومن تمام مومنوں کی تکلیف سے خود تکلیف والم میں مبتلا ہو جاتا ہے ثبت طور پر آپ نے اس کی مثال اس طرح پیش کی:

اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا ثُمَّ شَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ۔ (بخاری و مسلم عن ابی موسیٰ، مشکوٰۃ ص: ۴۲۲)

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے عمارت کی طرح ہونا چاہیے اور ایک دوسرے کے لیے اس طرح مضبوطی اور قوت کا باعث ہونا چاہیے جیسے مکان کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کے لیے، اس کے بعد آپؐ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال دیں۔

۳- احتساب و نصیحت

ایک مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے بھائی کے اعمال و افعال پر نگاہ رکھے اور جہاں اسے سیدھی راہ سے ہٹتے دیکھے وہاں اس کو نصیحت کر کے سیدھا کرنے کی کوشش کرے یہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے۔ اگرچہ اس حق کی ادائیگی ایک ایسی چیز ہے جو اکثر و بیشتر ناگوار گزرتی ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اگر ایک فرد کے دل میں اس بات کا پورا احساس ہو کہ اصلی کامیابی آخرت کی کامیابی ہے، اور تعلق کی اساس یہ ہے کہ دو بھائی ایک دوسرے کو یہ کامیابی حاصل کرنے میں مدد دیں۔ کیونکہ دنیا میں احتساب آخرت کے احتساب سے بہتر ہے تو وہ اپنے دل میں یقیناً اپنے بھائی کا شکر گزار ہوگا کہ اس نے دنیا ہی میں اس کی اصلاح کا موقع دیا اور پھر اگر تنقید و احتساب کرنے والا ان تمام شرائط کو ملحوظ رکھے جو ضروری ہیں اور خاص طور پر اگر یہ کام دل سوزی، محبت اور خلوص سے ہو تو یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ شکر گزاری آگے بڑھ کر محبت میں اضافہ اور الفت و لگاؤ میں زیادتی کا باعث ہوگی۔ اس لیے کہ پھر تنقید کرنے والے کے بارے میں ایک محسنِ اعظم کا تصور پیدا ہوگا۔ تنقید کی ساری شرائط کو نبی کریمؐ نے اپنی اس حدیث میں ایک مثال سے واضح کر دیا ہے جس میں آپ نے اس کی نصیحت کی ہے۔

آپؐ نے فرمایا:

اِنَّ اَحَدَكُمْ مِرْاٰةُ اَخِيْهِ فَاِنْ رَاٰى بِهٖ اَذًى فَلْيُمِطْ عَنْهُ۔

(ترمذی عن ابی ہریرہ، مشکوٰۃ ص: ۴۲۴)

تم میں سے ہر ایک اپنے بھائی کا آئینہ ہے پس اگر وہ اپنے بھائی میں کوئی خرابی دیکھے تو

اُسے دور کردے۔

اور ابوداؤد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

اَلْمُؤْمِنُ مِرْاٰۃُ الْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنُ اَخُوْا الْمُؤْمِنِ یَکُفُّ ضَیْعَتَہٗ وَیَحْفَظُہٗ مِنْ وَّرَائِہٖ۔ (ابی داؤد، مشکوٰۃ ۴۲۴)

ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے اور ایک مومن دوسرے کا بھائی ہے اور اس کے حق کو اس کی عدم موجودگی میں بھی محفوظ رکھتا ہے۔

اس کی مثال کی روشنی میں احتساب و نصیحت کے مندرجہ ذیل اصول وضع کیے جاسکتے ہیں۔

۱- برائیوں کا تجسس نہ ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ آئینہ کبھی تجسس نہیں کرتا۔ وہ اس وقت ظاہر کرتا ہے جب آپ اس کے سامنے جا کھڑے ہوں۔

۲- پیٹھ کے پیچھے تنقید نہ ہو اس لیے کہ آئینہ کسی کی شکل اس وقت تک ظاہر نہیں کرتا جب تک وہ روبرو نہ ہو۔

۳- تنقید میں کوئی اضافہ نہ ہونا چاہیے اس لیے کہ آئینہ بلا کم و کاست اور بلا مبالغہ نقوش واضح کر دیتا ہے۔

۴- تنقید بے لاگ ہونی چاہیے اور کسی بدنیتی اور غرض سے پاک، اس لیے کہ آئینہ جس کا نقش کرتا ہے اس سے کوئی کینہ نہیں رکھتا۔

۵- بات کہہ دینے کے بعد اسے پالنا نہیں چاہیے۔ اس لیے کہ سامنے سے ہٹ جانے کے بعد آئینہ شکل کو محفوظ نہیں رکھتا۔ یا دوسرے الفاظ میں پردہ دری نہ ہونا چاہیے۔

۶- اور پھر سب سے اہم بات یہ کہ اس میں انتہائی سوز، دکھ، درد، خلوص اور محبت کارفرما ہے جس کا احساس ہی اس ناگواری کے ہلکے سے احساس کو فنا کر دے جو ہر شخص میں فطری طور پر اپنے اوپر تنقید سن کر ابھرنے لگتا ہے۔ اسی لیے مراۃ المسلم کے ساتھ ''اخوالمسلم'' بھی کہا گیا۔ یہ دل سوزی اس وقت پیدا ہو سکتی ہے جب ایک طرف یہ احساس ہو کہ میرے بھائی کی یہ خرابی اس کی ہلاکت کا سبب بن سکتی ہے اور دوسری طرف اپنے کو اپنے بھائی سے بڑا نہ سمجھے۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ اس سے کمزور اور اس سے زیادہ خطا کار اور گناہ گار سمجھے۔

۴- ملاقات

محبت کے بالکل اولین اور بنیادی تقاضوں میں سے یہ ہے کہ آدمی جس سے محبت کرتا ہے، اس سے زیادہ سے زیادہ ملے، اس کی صحبت اختیار کرے اور اس سے گفتگو کرے اور اس کے پاس بیٹھے۔ انسانی نفسیات کا ابتدائی طالب علم بھی جانتا ہے کہ نہ صرف یہ کہ یہ محبت کا بنیادی تقاضا ہے بلکہ محبت کو بڑھانے کے لیے اور دلوں کو آپس میں زیادہ سے زیادہ جوڑنے کے لیے یہ مؤثر ترین چیزوں میں سے ایک ہے۔ محبت تقاضا کرتی ہے کہ آدمی ہر ممکن موقع پا کر اپنے بھائی سے مل لے اور ہر ملاقات محبت میں مزید اضافہ کا سبب بنتی ہے اور اس طرح یہ ایک لامتناہی سلسلہ بن جاتا ہے۔ ملاقات میں اگر شریعت کے ان اصولوں کو ملحوظ رکھا جائے جن پر ہم پہلے گفتگو کر آئے ہیں اور جن کو پھر ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ آدمی اپنے بھائی کی دل آزاری اور ایذا رسانی کو کسی طرح نہ برداشت کرے، اور اگر ان چیزوں کو بھی ملحوظ رکھا جائے جو بعد میں آنے والی ہیں تو ممکن نہیں کہ دو مسلمانوں کی ملاقات تعلق میں اضافہ کا سبب نہ بنے اور وہ دو بھائیوں کے دلوں کو قریب نہ لے آئے اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باہمی محبت کے باب میں اس کو خاص اہمیت دی ہے۔ اس کی ہدایت کی ہے اور اس کے بے شمار فضائل بتائے ہیں۔ ایک حدیث میں آپ فرماتے ہیں کہ:

صالح ہم نشین تنہائی سے بہتر ہے۔ (بیہقی عن ابی ذر، مشکوٰۃ)

ایک دفعہ آپؐ نے حضرت ابوذرؓ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

هَلْ شَعَرْتَ اَنَّ الرَّجُلَ اِذَا خَرَجَ مِنْ بَيْتِهٖ زَائِرًا اَخَاهُ شَيَّعَهُ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ كُلُّهُمْ يُصَلُّوْنَ عَلَيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اِنَّهُ وَصَلَ فِيْكَ فَصِلْهُ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَعْمَلَ جَسَدَكَ فِيْ ذَالِكَ فَافْعَلْ۔ (بیہقی عن ابی ذر مشکوٰۃ: ۴۲۷)

تمھیں معلوم ہے کہ جب کوئی مسلمان اپنے بھائی کو دیکھنے اور ملاقات کی غرض سے گھر سے نکلتا ہے تو اس کے پیچھے ستر ہزار فرشتے ہوتے ہیں، وہ اس کے لیے دعا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے رب ہمارے! یہ صرف تیرے لیے جُوا تو اُسے جوڑ دے۔ اگر

تجھ سے ممکن ہو کہ تو اپنے جسم سے یہ (ملاقات کا) کام لے تو ضرور ایسا کر۔

ایک حدیث میں رسول اللہ نے بڑے اچھے پیرایہ میں اس ملاقات پر روشنی ڈالی۔ فرمایا کہ:

قَالَ اِنَّ رَجُلًا زَارَ اَخَالَهٗ فِیْ قَرْیَةٍ اُخْرٰی فَاَرْصَدَ اللّٰهُ لَهٗ عَلٰی مدرجته مَلَکًا قَالَ اَیْنَ تُرِیْدُ قَالَ اَنَا اُرِیْدُ اَخًا لِیْ فِیْ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ قَالَ هَلْ لَّکَ عَلَیْهِ مِنْ نِّعْمَةٍ تَرُبُّهَا قَالَ لَا غَیْرَ اَنِّیْ اَحْبَبْتُهٗ فِی اللّٰهِ قَالَ فَاِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکَ بِاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَبَّکَ کَمَا اَحْبَبْتَهٗ فِیْهِ۔ (مسلم عن ابی ہریرہ، مشکوٰۃ ۴۲۵)

ایک شخص اپنے بھائی سے جو کسی دوسرے گاؤں میں تھا ملاقات کو چلا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے پر ایک فرشتہ کو بٹھایا۔ فرشتہ نے اس سے پوچھا "کہاں کا ارادہ ہے؟" اس نے جواب دیا "اس گاؤں میں میں اپنے بھائی سے ملاقات کو جاتا ہوں" فرشتہ نے کہا کیا تیرا اس پر کوئی حق نعمت ہے جو وصول کرنے جاتا ہے۔" اس نے کہا نہیں سوائے اس کے کوئی وجہ نہیں کہ میں اس سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں۔ فرشتہ نے کہا "مجھے اللہ نے تیری طرف بھیجا ہے اور یہ (بشارت دی ہے کہ وہ تجھ سے ایسی ہی محبت رکھتا ہے جیسی تو اس کی خاطر اپنے دوست سے رکھتا ہے۔")

ایک صاحب نے حضرت معاذ بن جبلؓ پر اپنی محبت کا اظہار کیا اور کہا آپ سے للہ محبت کرتا ہوں۔ انھوں نے ان کو رسول اللہؐ کی بشارت سنائی کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری محبت ان لوگوں کے لیے واجب ہوگی جو میرے لیے باہم ساتھ بیٹھتے ہیں، میرے لیے ایک دوسرے سے ملنے جاتے ہیں اور میرے لیے ایک دوسرے پر مال خرچ کرتے ہیں۔

اور اللہ کے لیے باہمی محبت و ملاقات کا جو اجر آخرت میں ہے اس کی خبر نبی کریم نے یوں دی ہے:

اِنَّ فِی الْجَنَّةِ لَعُمُدًا مِّنْ یَّاقُوْتٍ عَلَیْهَا غُرَفٌ مِّنْ زَبَرْجَدٍ لَهَا اَبْوَابٌ مُّفَتَّحَةٌ تُضِیْءُ کَمَا یُضِیْءُ الْکَوْکَبُ الدُّرِّیُّ فَقَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ یَّسْکُنُهَا۔ قَالَ الْمُتَحَابُّوْنَ فِی اللّٰهِ وَالْمُتَجَا

لِسُوْنَ فِی اللّٰہِ وَالْمُتَلَاقُوْنَ فِی اللّٰہِ۔ (بیہقی، مشکوٰۃ ص:۴۲۷)

جنت میں یاقوت کے ستون ہیں اور ان پر زبرجد کے بالا خانے اور ان کے دروازے ایسے چمک دار ہیں جیسے تارے چمکتے ہیں۔ صحابہؓ نے پوچھا: اے اللہ کے رسولؐ! ان میں کون رہے گا۔ آپؐ نے فرمایا: وہ جو اللہ کے لیے باہم محبت رکھتے ہیں، ساتھ مل کر بیٹھتے ہیں اور ایک دوسرے کی ملاقات کو جاتے ہیں۔

باہمی ملاقات اور محبت کی اتنی تاکید اور اس کے لیے اتنے بڑے اجر کی بشارت صرف اس وجہ سے نہیں کہ یہ محبت کا لازمی تقاضا ہے۔ یا یہ کہ اس سے محبت میں زیادتی و اضافہ ہوتا ہے۔ بلکہ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انسان کو صحیح رائے پر قائم رکھنے کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ اس کے مخلص دوست اس کو سہارا دیتے ہیں اور یہ چیز ملاقاتوں اور گفتگوؤں سے ہی ممکن ہے۔ پھر یہ کہ انسان ملتا تو لازماً رہتا ہی ہے۔ اگر اس کی ملاقاتیں اس کے پورے اجر و ثواب کی تمنا سے اپنے ان بھائیوں سے ہوں گی جو اس کے ہم مقصد ہیں اور اگر ان ملاقاتوں میں اللہ کو یاد رکھا جائے تو یہ ملاقاتیں ہی اس کی سیرت کی تعمیر اور کردار کے ارتقاء میں بڑا اہم اور نمایاں حصہ ادا کریں گی۔

ان احادیث اور ان دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ ایک مومن کو اپنے دوسرے مومن بھائی سے زیادہ ملاقات کی کوشش کرنی چاہیے الّا یہ کہ طبعی مجبوری ہو۔ اس سے نہ صرف یہ کہ تعلق پروان چڑھے گا بلکہ وہ ستر ہزار فرشتوں کی دعائے مغفرت اور اللہ کی محبت کا حق دار ہو جائے گا اور یہ بھی کہ ملاقات کے وقت ان احادیث و ہدایات کو سامنے رکھنا چاہیے تاکہ اس ملاقات کے فی اللہ ہونے کا شعور ذہن میں پس پشت نہ چلا جائے۔

۵- عیادت

ملاقات کی ایک مخصوص صورت جس کو ایک مسلمان پر اس کے بھائی کا حق قرار دیا گیا ہے، یہ ہے کہ وہ اپنے بیمار بھائی کی عیادت کو جائے۔ ایک بیمار انسان اپنی نفسیاتی و جسمانی کیفیت کی بنا پر دوسروں کی ہمدردی اور خدمت کا محتاج ہوتا ہے۔ اور اس موقع پر اس کا کوئی بھائی یہ چیزیں اس کو فراہم کر کے دے تو یہ ہمدردی اور خدمت ایک ایسا گہرا اثر دل پر چھوڑتی ہے جو تعلقات کے استحکام میں بہت مفید ہوتا ہے۔

عام طور پر عیادت کے معنی صرف اتنے سمجھے جاتے ہیں کہ بیمار کی مزاج پرسی کی جائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ بیمار پرسی اس کی کم سے کم نوعیت ہے ورنہ غم خواری، تیمارداری اور خدمت گزاری بھی اس کے تحت آتے ہیں۔ پھر اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ عیادت سے مراد صرف مزاج پرسی ہے تو سوچنا چاہیے کہ جب مزاج پرسی کی اتنی تاکید اور اتنا اجر ہے تو غم خواری، تسلی و تشفی اور تیمارداری کا کیا درجہ ہوگا۔

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان کے اوپر حقوق کی جو مشہور احادیث ہیں اور جن میں پانچ یا چھ یا سات امور بیان کیے گئے ہیں ان میں سے ہر ایک میں عیادت کے بطور ایک حق کی تاکید کی گئی ہے۔

وَاِذَامَرِضَ فَعُدْهُ۔ جب وہ بیمار پڑے تو اس کی عیادت کرو۔

اللہ کے رسول نے انتہائی موثر پیرایہ میں بندوں کے حقوق کی تلقین کرتے ہوئے ایک دفعہ اس امر کی وضاحت کی کہ یہ حقوق اصل میں اللہ کی طرف سے عائد ہوتے ہیں اور اللہ قیامت کے دن خود مدعی بن کر ان کے بارے میں جواب طلب کرے گا۔ چنانچہ عیادت کے بارے میں آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پوچھے گا "اے آدم کے بیٹے! میں بیمار پڑا تو نے میری عیادت نہ کی؟" وہ کہے گا "اے میرے رب تو سارے جہاں کا رب تھا۔ میں تیری عیادت کیوں کر کرتا۔" فرمائے گا۔ "کیا تجھے خبر نہ ہوئی کہ میرا بندہ بیمار ہوا، مگر تو نے اس کی عیادت نہ کی، اگر کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔" ایک بیمار کی عیادت کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا ترغیب ہو سکتی ہے کہ بندہ اس کے ذریعہ سے اپنے آقا کو پا سکے گا۔

اس عیادت کے ثواب کے بارے میں آپؐ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الْمُسْلِمَ اِذَا عَادَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ لَمْ يَزَلْ فِي الْجَنَّةِ حَتّٰى يَرْجِعَ۔ (احمد و ترمذی عن ابی امامہ ص: ۴۰۲)

جب مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کو جاتا ہے تو واپسی تک جنت کے میوے چنتا رہتا ہے۔

مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يَّعُوْدُ مُسْلِمًا عَدْوَةً اِلَّا صَلّٰى عَلَيْهِ سَبْعُوْنَ

اَلْفَ مَلَکٍ حَتّٰی یَمْسِیَ وَاِنْ عَادَهٗ عَشِیَّةً اِلَّا صَلّٰی عَلَیْهِ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَکٍ حَتّٰی یصبح وَکَانَ لَهٗ خَرِیْفٌ فِی الْجَنَّةِ۔ (ترمذی وابوداؤد، مشکوٰۃ ۱۲۵)

اور مزید یہ کہ جب مسلمان دوسرے مسلمان کی عیادت صبح کو کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعا کرتے ہیں یہاں تک کہ شام ہو جائے اور اگر شام کو عیادت کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعا کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ صبح ہو جائے۔ اس کے لیے جنت میں میووں کے باغات ہیں۔

مَنْ عَادَ مَرِیْضًا لَمْ یَزَلْ یَغُوْصُ الرَّحْمَةَ حَتّٰی یَجْلِسَ فَاِذا جَلَسَ اِغْتَمَسَ فِیْهَا۔ (مالک واحمد عن جابر، مشکوٰۃ ص:۱۳۸)

اور پھر یہ کہ جو شخص مریض کی عیادت کو جاتا ہے وہ رحمت کے دریا میں داخل ہو جاتا ہے اور جب مریض کے پاس بیٹھتا ہے تو رحمت میں غرق ہو جاتا ہے۔

آپؐ نے فرمایا:

اِتْمَامُ عِیَادَةِ الْمَرِیْضِ اَنْ یَّضَعَ اَحَدُ کُمْ یَدَهٗ عَلٰی جَبْهَتِهٖ اَوْ عَلٰی یَدِهٖ فَیَسْأَلُهٗ کَیْفَ هُوَ۔ (احمد وترمذی عن ابی امامہ:۴۰۲)

مریض کی عیادت کی تکمیل یہ ہے کہ عیادت کرنے والا اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ یا پیشانی پر رکھ دے اور ان سے پوچھے کہ وہ کیسا ہے۔

عیادت کے کچھ آداب ہیں۔ اس میں سب سے اہم چیز مریض کی تسلی و تشفی اور دل دہی ہے۔

رسول اللہؐ نے اس کا حکم یوں دیا کہ:

اِذَا دَخَلْتُمْ عَلٰی مَرِیْضٍ فَنَفِّسُوْا لَهٗ فِیْ اَجَلِهٖ فَاِنَّ ذَالِکَ لَا یَرُدُّ شَیْئًا وَیَطِیْبُ بِنَفْسِهٖ۔ (ترمذی وابن ماجہ عن ابی سعید، مشکوٰۃ:۱۲۷)

جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ تو اس کو تسکین دو اور تسلی دو۔ یہ اگرچہ حکم الٰہی کو تو نہیں روک سکتی۔ لیکن مریض کے دل کو خوش کر دیتی ہے۔

رسول اللہؐ خود جب کسی کی عیادت کو جاتے تو مریض کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے، تسلی دیتے اور فرماتے "لا باس طھور انشاء اللہ" اور پھر اس سے پوچھتے کہ کسی خاص چیز کو اس کا دل چاہتا ہے؟ صحابہؓ سے آپؐ یہی فرماتے کہ جب کوئی کسی کی عیادت کے لیے جائے تو اس کے ہاتھ اور پیشانی پر ہاتھ رکھے اور اس کو تسلی و دلاسا دے اور اس کے شفا پانے کے لیے خود اسے دعا دے۔
(ابوداؤد سیرت النبی ج:۶ ص:۳۰۹)

پھر اس سے بھی منع فرمایا کہ مریض کے پاس زیادہ دیر تک بیٹھا جائے یا شور وغل کیا جائے۔

۶- اظہارِ جذبات

دل میں اگر محبت کے جذبات ہوں تو خود بخود اپنے اظہار کے متقاضی ہوتے ہیں۔ جذبات کے اظہار سے ہمیشہ دو فائدے ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ جو شخص اپنے جذبات کو پھوٹ نکلنے کا موقع دیتا ہے اس کے جذبات میں ہمیشہ تازگی رہتی ہے، حرارت رہتی ہے اور ان میں ارتقاء ہوتا رہتا ہے اور اگر جذبات کو سینہ میں مدفون کر کے رکھ دیا جائے تو گھٹ گھٹ کر ان پر مردنی چھا جاتی ہے، ارتقاء رُک جاتا ہے۔ شگفتگی اور تازگی سے محروم ہو جاتا ہے اور اس طرح آہستہ آہستہ وہ تنزل کی طرف جانے لگتے ہیں۔ جذبات کے اظہار کا دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ باہمی تعلقات کو زیادہ مستحکم کرنے کا سبب بنتا ہے جب ایک شخص اس کیفیت سے آگاہ ہوگا جو اس کے لیے اس کے بھائی کے دل پر طاری ہے اور جب اسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا بھائی اپنے سینے میں اس کے لیے کتنے پیار و محبت اور اخوت کے جذبات رکھتا ہے تو لامحالہ اس کے دل پر گہرا تأثر پیدا ہوگا اپنے بھائی کے جذبات میں الفت و محبت کی قدر پیدا ہوگی اور خود اس کے دلی جذبات کا اظہار نہ ہو تو پھر دو بھائی باوجود اچھے جذبات رکھنے کے کبھی کبھی الفت و محبت کے زیادہ مستحکم تعلقات نہ قائم رکھ سکیں گے۔

پھر اگر ایک مسلمان سے اس کا بھائی محبت رکھتا ہے تو اس کا یہ حق ہے کہ وہ اپنے بھائی کے دلی جذبات سے آگاہ ہو۔ اس لیے بھی کہ وہ ان جذبات کے جواب میں اپنے سینے میں برابر کے جذبات پروان چڑھا سکے اور اس لیے بھی کہ وہ لاعلمی میں ایسا طرزِ عمل نہ اختیار کر جائے جو اس جذبۂ محبت کے تقاضوں سے متصادم ہو یا ان کے مطابق نہ ہو جو اس کے بھائی کے سینہ میں اس کے لیے موجود ہے۔

اس لیے دو مسلمان بھائیوں کی باہمی محبت کو پروان چڑھانے کے لیے بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط بات ہوگی کہ اکثر حالات میں فساد سے بچانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ محبت کو مخفی نہ رکھا جائے اور اپنے جذبات کو کھل کر ظاہر ہونے دیا جائے۔ فساد اس طرح پیدا ہوتا ہے کہ ایک شخص اپنے بھائی سے محبت رکھتا ہے اور وہ اپنی محبت کو مختلف طریقوں سے ظاہر کرتا ہے لیکن اس کا بھائی باوجود اپنے دل میں محبت رکھنے کے ٹک ٹک دیدم دَم نہ کشیدم کا مصداق بنا رہے اور مہر بلب رہے تو لازماً وہ اس طرح اپنے بھائی کے دل میں بدگمانی، بددلی اور دوری پیدا کرنے کا باعث ہوگا جو اسے اپنی محبت کی خبر دے دیتا ہے۔

دل میں پوشیدہ محبت و الفت اور پیار کے جذبات جب پھوٹ کر باہر نکلتے ہیں تو وہ بے شمار راہیں اختیار کرتے ہیں۔ انسان کی ایک ایک حرکت و سکنت اس کے بھائی پر اس کے جذبات کا اظہار کرتی ہے۔ یہ اظہار عمل سے بھی ہوتا ہے اور زبان سے بھی۔ حسنِ سلوک، حاجت روائی، دل سوزی کے ساتھ احتساب اور اصلاح کی کوشش، دعوتِ طعام، خندہ پیشانی، مسکراہٹ، معانقہ، دکھ درد میں شرکت اور اپنے ذاتی معاملات میں اعتماد کچھ ایسی چیزیں ہیں جو عمل سے ان جذبات کو ظاہر کرتی ہیں۔ ان میں سے کچھ پر ہم گفتگو کر چکے ہیں اور کچھ آگے چل کر کریں گے۔ حرکات و سکنات اور عمل کے ساتھ ساتھ جو دوسری بڑی موثر قوت ہے وہ زبان ہے۔ زبان سے نکلی ہوئی ایک دل آزار بات جس طرح تیر کی طرح دل پر اثر کرتی ہے۔ اور اس کے زخم کا اندمال مشکل ہوتا ہے اسی طرح زبان سے نکلی ہوئی اچھی بات دل پر ایسا گہرا اثر چھوڑتی ہے کہ دوسرے انسان کے لیے اس کا اندازہ بھی مشکل ہوتا ہے۔ اس لیے زبان کے بارے میں ہم نے دیکھا ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے سب سے زیادہ محتاط رہنے کا مشورہ دیا ہے۔ اس لیے کہ یہی زبان تعلقات کو فساد و اختلال کی انتہائی پستیوں تک پہنچانے کا سبب بن سکتی ہے۔ اگر ایک انسان اس سے صحیح قسم کا کام لے تو یہ باہمی تعلقات کو لطف و محبت کی بلند ترین منازل تک پہنچا سکتی ہے۔ اس کا اندازہ بہت کم لوگ کرتے ہیں۔ اکثر زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کے چند مجموعے جو دوسرے انسان تک محبت و الفت کے جذبات منتقل کر رہے ہوں، انسانی دل کتنا خوش کر دیتے ہیں۔ بعض دفعہ بڑے سے بڑا حسنِ سلوک بھی اس کی برابری نہیں کر سکتا۔ اور کتنے لوگ ہیں جو ایک اچھی بات، ہمت افزا جملہ، دل کو خوش کر دینے والی بات بول دینے میں بخل کر جاتے ہیں اور اس طرح

نہ صرف یہ کہ وہ اپنے بھائی کے دل کو بے انتہا خوش کرنے کی سعادت سے محروم ہو جاتے ہیں جس کے بارے میں یہ ہے کہ "جس نے مسلمان بھائی کے دل کو خوش کیا اس نے اللہ کے رسولؐ کو خوش کیا اور جس نے اللہ کے رسول کو خوش کیا اس نے اللہ کو خوش کیا اور جس نے اللہ کو خوش کر دیا تو اللہ اسے جنت میں داخل کر دے گا۔" بلکہ اس کے برعکس بعض دفعہ محبت آمیز بات نہ کہہ کر اس کے دل کو تکلیف پہنچا دیتے ہیں اور بعض اوقات کسی جملہ کو لاپروائی اور بے نیازی سے بول دیتے ہیں۔ اس کے بارہ میں آیا ہے کہ "جس نے کسی مسلمان کو ستایا اس نے اللہ کو ستایا۔"

زبان کے ذریعہ جذبات کے اظہار کے طریقوں میں اپنی محبت کا اظہار، سلام دعا، نرم اور محبت آمیز جملے، غمگساری وغیرہ مختلف چیزیں آتی ہیں۔ زبان کی اہمیت کو سامنے رکھتے ہوئے آپؐ نے اپنے صحابہؓ کے سامنے اس حشر کا نقشہ پیش کیا:

"جب آدمی کے اردگرد آگ اور یا پھر اس کے اعمال ہوں گے اس وقت اللہ تعالیٰ براہ راست احتساب کرے گا۔ پھر ہدایت کی کہ اس آگ سے بچو اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی دے کر کیوں نہ ہو اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو کم از کم بھلی بات ہی کہو۔"

اور پھر سارے دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے اور سارے پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد ہم بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ کے رسولؐ نے اس سلسلہ میں کیا ہدایات دی ہیں اور کیوں دی ہیں۔ اظہارِ محبت کے سلسلہ میں آپؐ نے یہ فرمایا کہ:

اِذَا اَحَبَّ الرَّجُلُ اَخَاهُ فَلْيُخْبِرْهُ اَنَّهُ يُحِبُّهُ۔

(ابوداؤد، ترمذی عن مقدام بن معدیکرب: ۴۲۶)

جب کوئی اپنے بھائی سے محبت کرے تو اس کو چاہیے کہ وہ اسے خبر کر دے کہ وہ اس سے محبت رکھتا ہے۔

اور اسی طرح ایک دفعہ آپ کے سامنے سے ایک شخص گزرا۔ اس وقت آپؐ کے پاس لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان لوگوں میں سے ایک نے کہا کہ میں اس شخص کو اللہ کے لیے محبوب رکھتا ہوں۔

فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْلَمْتَهُ قَالَ لَا قَالَ قُمْ اِلَيْهِ فَاَعْلِمْهُ فَقَامَ اِلَيْهِ فَاَعْلَمَهُ فَقَالَ اَحَبَّكَ الَّذِيْ اَحْبَبْتَنِيْ لَهُ

(بیہقی، ترمذی، مشکوٰۃ ۴۲۶)

نبی کریمؐ نے فرمایا کیا تو اس کے علم میں لے آیا۔ اس نے عرض کیا ''نہیں'' فرمایا ''جاؤ اور اس کے علم میں لے آؤ کہ تم اس سے اللہ کے لیے محبت کرتے ہو، پھر وہ کھڑا ہو گیا اور اس کو جا کر بتا دیا۔ اس نے کہا کہ تجھ سے وہ ذات محبت کرے جس کی رضا کی خاطر تو مجھ سے محبت کرتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ ایک دفعہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنؓ بن علیؓ کا بوسہ لیا۔ اس وقت آپؐ کے پاس اقرع بن حابس بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے آپؐ کو بوسہ دیتے دیکھ کر کہا کہ میرے دس بیٹے ہیں۔ میں ان میں سے کبھی کسی کا بوسہ نہیں لیا۔ رسول اللہؐ نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا ''جو رحمت سے خالی ہوتا ہے اس پر رحمت نہیں کی جاتی۔''

مَنْ لَّا یَرْحَمْ لَا یُرْحم۔ (بخاری و مسلم ص:۴۰۱)

اور ایک دوسری حدیث میں اس قسم کے الفاظ ہیں کہ ''اگر اللہ نے تمھارے دل کو رحمت سے محروم کر دیا تو میں کیا کروں۔'' اظہارِ جذبات کا بہترین موقع ملاقات کے وقت ہوتا ہے۔ خود ملاقات کی ضرورت اور اہمیت تو آپ کو معلوم ہے۔ آیئے دیکھیں کہ اظہارِ جذبات کے لیے ملاقات کو کیسا ہونا چاہیے۔

۷- محبت اور خوش اخلاقی سے ملاقات کرنا

تعلقات کو پروان چڑھانے میں حسن سلوک کے بعد اگر کوئی چیز سب سے زیادہ مؤثر ہے تو وہ ملاقات ہے لیکن شرط یہ ہے کہ ان ملاقاتوں میں ایک طرف تو بدکلامی، طعن و طنز، تمسخر وغیرہ عیوب کے ذریعہ دل آزاری نہ ہو اور دوسری طرف اس طرح ملا جائے کہ اندازِ ملاقات سے محبت کے جذبات ٹپکتے ہوں۔ اس سلسلے میں ہم کو بے شمار احادیث ملتی ہیں۔

ایک صورت یہ ہے کہ ملاقات میں درشتی و سختی یا بے نیازی و لاپروائی کے بجائے جو دل کے لیے تکلیف دہ اور دلوں کو پھاڑنے والی ہوتی ہے، نرمی اور نرم خوئی ہو۔ نرم آدمی کے بارے میں رسول اللہؐ نے فرمایا:

اُخْبِرُکُمْ وَمَنْ یُّحَرَّمُ عَلَی النَّارِ وَمَنْ تُحَرَّمُ النَّارُ عَلَیْہِ عَلٰی کُلِّ ھَیِّنٍ لَّیِّنٍ قَرِیْبٍ سَھْلٍ۔ (احمد ترمذی عن ابن مسعود، مشکوٰۃ:۴۳۲)

میں تمھیں اس شخص کا پتہ دیتا ہوں جس پر جہنم کی آگ حرام ہے اور وہ آگ پر حرام ہے۔ یہ وہ شخص ہے جو نرم مزاج، نرم طبیعت اور نرم خو ہو۔

اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ آدمی خندہ پیشانی سے ملے اور دیکھ کر مسکرا دے۔ رسول اللہ نے ان دونوں چیزوں کی نصیحت کی ہے۔

ایک دفعہ آپؐ نے فرمایا کہ:

لَاتَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا وَلَوْاَنْ تُلْقٰى اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلِيْقٍ۔ (مسلم ۳۹۹)

نیکیوں میں سے کسی کو حقیر نہ سمجھو اگرچہ وہ اتنی ہی ہو کہ تم اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملو۔

اور ایک جگہ فرمایا کہ "اپنے بھائی کو دیکھ کر مسکرا دینا بھی صدقہ ہے۔"

لاپروائی اور بے نیازی سے نہ ملے بلکہ توجہ سے ملے اور دوسرے پر اس کا اظہار کردے کہ یہ ملاقات اس کے دل کی خوشی کا باعث ہو رہی ہے۔

نبی کریمؐ کے بارے میں صحابہؓ یہ کہتے ہیں کہ آپ کسی کی طرف متوجہ ہوتے تو پورے ہم سے ہوتے، اسی طرح آپؐ کے بارے میں ایک واقعہ بیہقی نے نقل کیا ہے کہ آپؐ مسجد میں ایک مجلس میں بیٹھے تھے۔ ایک آدمی آیا تو رسول اللہؐ نے اس کے لیے اپنے جسم کو حرکت دی۔ اس نے کہا یا رسولؐ اللہ! جگہ میں کافی گنجائش ہے۔ نبی کریمؐ نے فرمایا:

اِنَّ لِلْمُسْلِمِ لَحَقًّا اِذَارَاٰهُ اَخُوْهُ اَنْ يَّتَزَحْزَحَ لَهٗ۔

(عن عمر بن الخطاب ترجمان السنہ)

مسلمان کا یہ حق ہے کہ جب اس کا بھائی اسے دیکھے تو اس کے لیے حرکت کر جائے۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں "جب زید بن حارثہؓ مدینہ میں آئے اور رسول اللہؐ سے ملاقات کی، باہر سے دروازہ کھٹکھٹایا تو رسول اللہؐ تہمد باندھے بغیر صرف چادر کو کھینچتے ہوئے باہر تشریف لے گئے۔ خدا کی قسم! میں نے نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد آپؐ کو اس حالت میں دیکھا۔ آپ نے جوشِ محبت سے زید کو گلے لگایا اور بوسہ دیا۔" اسی طرح جب حضرت جعفر طیارؓ

حبشہ سے واپس آئے تو رسول اللہ نے ان کو گلے لگا کر آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ حضرت عکرمہؓ بن ابوجہل جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے کہا: ''ہجرت کرنے والے سوار کو مرحبا۔''

۸- سلام

سلام کے ذریعہ اظہار جذبات کو ایک متعین صورت عطا کر کے اسے بھی ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر حقوق میں شامل کر دیا ہے۔ اس میں ایک طرف جذبات کا اظہار ہوتا ہے اور دوسری طرف اپنے بھائی کے لیے دعا کے ذریعہ خیر خواہی بھی جب نبی کریمؐ نے مدینہ آ کر پہلا خطبہ دیا تو چار باتوں کی ہدایت کی اور ان میں سے ایک یہ تھی:

وَاَفْشُوا السَّلَامَ۔ سلام کو (اپنے درمیان) پھیلاؤ۔

اس سے بھی زیادہ اہمیت اس حدیث سے ظاہر ہوتی ہے۔

آپؐ نے فرمایا:

لَاتَدْ خُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰی تُؤْ مِنُوْا وَلَا تُؤْ مِنُوْا حَتّٰی تَحَابُّوْا اَوَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰی شَیْئٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ اَفْشُوْا السَّلَامَ بَیْنَكُمْ (عن ابی ہریرۃ مشکوٰۃ ص: ۳۹۷)

تم ہرگز جنت میں داخل نہ ہو گے یہاں تک کہ مومن ہو جاؤ اور مومن اس وقت تک نہ ہو گے جب تک باہم محبت نہ کرنے لگو۔ کیا میں تمہیں ایسی چیز کا پتہ نہ دوں جس کو اختیار کر کے تم باہم محبت کرنے لگو تو وہ یہ ہے کہ آپس میں سلام کو پھیلاؤ۔

اور ایک مرتبہ مسلمان پر مسلمان کے چھ حقوق بتاتے ہوئے آپ نے فرمایا:

یُسَلِّمُ عَلَیْهِ اِذَا لَقِیَهٗ۔ (مشکوٰۃ: ۱۹۷)

اس سے سلام کرے جب بھی اس سے ملے۔

اس سلسلہ میں خاص طور پر سلام میں سبقت کرنے اور اوّلیت کا شرف حاصل کرنے کی تحریص کی گئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ:

''سلام میں پہل کرنے والا تکبر سے پاک ہوتا ہے۔''

نیز یہ بھی فرمایا کہ:

اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاللّٰہِ مَنْ بَدَأَ بِالسَّلَامِ۔

(احمد، ترمذی، ابوداؤد عن ابی امامہ۔ مشکوٰۃ ص:۳۹۸)

اللہ کی رحمت سے زیادہ قریب لوگوں میں وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔

اور ظاہر ہے کہ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان آگے بڑھ کر اپنے بھائی کے لیے دعا کرے اور اس طرح اپنے جذبات کو ظاہر کرے۔ رسول اللہؐ جہاں گزرتے وہاں سلام میں پہل کرتے۔ خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ مرد ہو یا عورت یا بچے۔ بلکہ بچوں پر سلام کرنے میں آپؐ خاص طور پر پہل کرتے۔ سلام کی کثرت کی آپؐ نے اس طرح نصیحت کی کہ:

اِذَا لَقِیَ اَحَدُکُمْ اَخَاہُ فَلْیُسَلِّمْ عَلَیْہِ فَاِنْ حَالَتْ بَیْنَھُمَا شَجَرَۃٌ اَوْ جِدَارٌ ثُمَّ لَقِیَہٗ فَلْیُسَلِّمْ عَلَیْہِ۔ (ابوداؤد عن ابی ہریرہ، مشکوٰۃ ۳۹۹)

جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے ملے تو اسے سلام کرے پھر اگر ان دونوں کے درمیان کوئی درخت دیوار، پتھر یا کوئی آڑ آجائے اور پھر ملے تو پھر سلام کرے۔

خاص طور پر آپؐ نے گھر والوں پر سلام کی نصیحت کی اور حضرت انسؓ سے کہا کہ:

یَا بُنَیَّ اِذَا دَخَلْتَ عَلٰی اَھْلِکَ فَسَلِّمْ تَکُنْ بَرَکَۃً عَلَیْکَ وَعَلٰی اَھْلِ بَیْتِکَ۔ (ترمذی، مشکوٰۃ: ص۳۹۹)

اے بیٹے جب تو اپنے گھر میں داخل ہو تو سلام کر۔ یہ تیرے اور تیرے گھر والوں کے لیے برکت کا باعث ہوگا۔

اسلام کے ذریعہ محبت میں اضافہ اس وقت ہوسکتا ہے جب صحیح شعور کے ساتھ ہو۔ ایک بھائی دوسرے بھائی سے سلامتی کی دعا کر رہا ہو اور اس پر ظاہر کر رہا ہو کہ وہ محبت اور خیر خواہی کے لیے کتنے جذبات اپنے دل میں رکھتا ہے۔ ورنہ جیسا سلام آج کل رائج ہے بطور عادت دو لفظ منہ سے نکل جاتے ہیں تو ظاہر ہے یہ محبت میں اضافہ کا سبب نہیں بن سکتا۔

۹- مصافحہ

سلام کے بعد دوسری چیز جو ملاقات کے وقت اپنے جذباتِ محبت کے اظہار کے لیے رسول اللہؐ نے بتائی وہ مصافحہ ہے۔ حضرت انسؓ سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ میں مصافحہ کا رواج تھا؟ انھوں نے کہا "ہاں" (بخاری، مشکوٰۃ ص:۴۰۱۰۱)

دراصل مصافحہ سلام کے تتمہ یا تکمیل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یعنی سلام کی پوری اسپرٹ اس سے ہی مکمل ہوتی ہے۔ رسول اللہؐ نے خود اس چیز کو واضح کیا کہ:

تَمَامُ تَحِيَّتِكُمْ بَيْنَكُمُ الْمُصَافَحَةُ۔ (احمد و ترمذی عن ابی امامہ، مشکوٰۃ ۴۰۲)

تمہارے باہمی سلام کی تکمیل مصافحہ سے ہوتی ہے۔

مصافحہ کے بارے میں رسولؐ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ "مصافحہ کرو۔ اس لیے کہ اس سے بغض دور ہوتا ہے۔"

اور مصافحہ کے اجر کے سلسلے میں جو خوش خبری رسول اللہ نے دی ہے وہ یہ ہے کہ:

مَا مِنْ مُّسْلِمَيْنِ فَيَتَصَا فَحَانِ اِلَّاغُفِرَ لَهُمَا وَفِيْ رِوَايَةٍ اُخْرىٰ فَتَصَافَحَاوَحَمِدَ اللّٰهُ وَاسْتَغْفَرَ اللّٰهُ غُفِرَ لَهُمَا

(احمد، ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد عن ابن عازب مشکوٰۃ ص:۴۰۱)

جب دو مسلمان ملیں اور مصافحہ کریں تو ان کے جدا ہونے سے بیشتر ان کو بخش دیا جاتا ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ مصافحہ کریں۔ خدا کی حمد کریں اور اس سے مغفرت چاہیں تو ان کو بخش دیا جاتا ہے۔

۱۰- اچھے نام سے یاد کرنا

جو شخص بھی انسانی نفسیات سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ انسان کی فطری خواہش ہوتی ہے کہ اس کو بہتر سے بہتر انداز میں پکارا جائے اور جتنے محبت بھرے لہجہ اور یگانگت کے انداز میں وہ مخاطب کیا جائے گا اتنا ہی اس کا دل پکارنے والے کی محبت اور خلوص سے متاثر ہوگا۔ اس معاملہ مین کبھی بخل نہ کرنا چاہیے۔ بلکہ اس بات کی پوری کوشش کرنی چاہیے کہ آدمی اپنے بھائی کو

ایسے انداز میں پکارے جس سے اس کی محبت کے جذبات چھلکتے ہوں۔ سید احمد شہیدؒ کی تحریک میں ہر شخص اپنے برابر والوں اور بڑوں کو اس کے نام کے ساتھ بھائی لگا کر پکارتا تھا اور چھوٹوں کا صرف نام لیا جاتا تھا۔ یہ معاملہ اس طرح پکارنے کا ہے جس سے محبت چھلکتی ہو اور جس سے دوسرے کا دل خوش ہو، اس کی تو ایک پُر خلوص اور محبت آمیز تعلق میں گنجائش ہی نہیں کہ بھائی اپنے بھائی کو اس طرح پکارے جو اس کو ناگوار ہو۔ خوش کلامی کی تمام احادیث اس معاملہ پر منطبق ہوتی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کتنی صحیح بات کہی جب کہ آپ نے یہ بتاتے ہوئے کہ دوستی کن چیزوں سے مضبوط ہوتی ہے۔ فرمایا:

''دوست کو اچھے نام سے بلایئے'' (کیمیائے سعادت ۲۳۸)

۱۱- شخصی اور ذاتی امور میں دلچسپی

پر خلوص محبت کا یہ ایک حق ہے کہ آدمی اپنے بھائی کے شخصی اور ذاتی معاملات میں اتنی ہی دلچسپی لے جتنی وہ اپنے شخصی اور ذاتی معاملات میں لیتا ہے۔ جب ملے تو اس کے ذاتی حالات پوچھے۔ ان میں پوری پوری دلچسپی کا اظہار کرے۔ اس طرح ایک طرف تو ایک بھائی کو دوسرے بھائی کی خیر خواہی کا یقین ہوگا۔ دوسرے ایک بھائی کے جذبات دوسرے پر ظاہر ہوں گے اور یہ چیز تعلق کے استحکام کا سبب بنے گی۔

نبی کریمؐ نے اپنے ساتھیوں کو آپس میں شخصی و ذاتی طور پر تفصیلی تعارف کی ہدایت کرتے ہوئے اس مصلحت پر بھی روشنی ڈالی، آپ نے فرمایا:

اذا احیَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فَلْیَسْئَلْهُ لَهُ عَنْ اِسْمِهٖ وَاِسْمِ اَبِیْهِ وَمِمَّنْ هُوَ فَاِنَّهُ اَوْصَلُ لِلْمَوَدَّةِ۔

(ترمذی عن یزید بن معاویہ، مشکوٰۃ ص: ۲۲۷)

جب ایک آدمی دوسرے آدمی سے بھائی چارہ کرے تو اس سے اس کا نام، اس کے باپ کا نام اور اس کے قبیلہ کا نام پوچھ لے اس لیے کہ اس سے باہمی محبت کی جڑیں زیادہ مضبوط ہوتی ہیں۔

ذاتی نام وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو آدمی کے شخصی معاملات کا ہی ایک جزو ہیں اور اس

طرح یہ حدیث اس اصول کی طرف اشارہ کرتی ہے جس کو میں نے پیش کیا۔ پھر یہ الفاظ کہ اس سے محبت کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں، اصل حکمت پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔

۱۱- ہدیہ

اپنے بھائی پر اپنی محبت اور خلوص کے اظہار کے لیے ہدیہ دنیا تعلق کے استحکام کے لیے نہایت مؤثر چیز ہے۔ اچھی بات کہنا، اچھے نام سے پکارنا اپنی محبت کو ظاہر کرنا یہ سب زبان کے ہدیئے ہیں۔ جن کے ذریعہ ایک بھائی اپنے بھائی پر محبت ظاہر کر کے اس کو اپنے سے قریب آتا ہے۔ ٹھیک جس طرح زبان کے ہدیے دل کو خوش کرتے ہیں اور دلوں کو جوڑنے میں اور اپنی طرف کھینچنے میں مدد دیتے ہیں، اسی طرح مادّی ہدیے بھی ایک دل کو دوسرے دل سے مربوط کرتے ہیں اور اسی طرح باہمی محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔ نبی کریمؐ نے جہاں ہدیے دینے کی ترغیب دی ہے وہاں اس کا یہ فائدہ بھی بتایا ہے کہ یہ دلوں کی کدورتوں کو دھو دیتا ہے۔ چنانچہ آپؐ فرماتے ہیں:

تَهَادُوْا تَحَابُّوْا وَتَذْهَبُ الشَّحْنَآءُ (اَوْ كَمَا قَالَ النَّبِيُّ)

(مشکوٰۃ ص: ۴۰۳)

ایک دوسرے کو ہدیہ بھیجا کرو تو باہمی محبت پیدا ہوگی اور دلوں کی دشمنی اور بُعد دور ہو جائے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے ساتھیوں کو کثرت سے ہدیے دیتے اور آپؐ کے اصحابؓ آپؐ کی خدمت میں اور باہم ایک دوسرے کو بھی ہدیے پیش کرتے۔ اس سلسلہ میں جو باتیں ہم کو پیش نظر رکھنی چاہئیں اور جو ہم کو آپؐ کے اسوہ سے معلوم ہوتی ہیں وہ یہ ہیں:

۱- ہدیہ ہمیشہ حسبِ استطاعت دینا چاہیے اور اس بنیاد پر دینے سے رک نہ جانا چاہیے کہ وہ قیمتی یا باحیثیت چیز نہیں دے سکتا۔ جو چیز دلوں کو جوڑتی ہے وہ ہدیہ کی قیمت و حیثیت نہیں ہوتی بلکہ دینے والے کا خلوص اور اس کی محبت ہوتی ہے۔

۲- ہدیہ چاہے کچھ بھی ہو ہمیشہ شکر و امتنان کے جذبات کے ساتھ قبول کرنا چاہیے۔

۳- ہدیہ کے بدلے ہمیشہ ہدیہ دینے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ

مساوی حیثیت کے ہدیات ہوں بلکہ ہر فریق اپنی حیثیت کے مطابق دے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اصول تھا کہ آپ ہمیشہ ہدیہ کے بدل کی کوشش کرتے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے لینے سے انکار کر دیا تو آپؐ نے اس پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا۔

۴- ہدیہ میں سب سے پسندیدہ چیز آپؐ کے لیے خوشبو تھی۔ آج کے حالات میں اسی صف میں کتاب کو بھی رکھا جا سکتا ہے۔

۱۳- شکر گزاری

جذباتِ محبت کے اظہار اور دوسرے کی محبت کے احساس کو ظاہر کرنے کا یہ ایک بڑا اچھا طریقہ ہے۔ جب ایک بھائی یہ محسوس کرے کہ اس کا بھائی اس کے محبت کے جذبات اور محبت کے تحت کیے ہوئے کاموں کا پورا احساس کرتا ہے اور ان کی قدر و قیمت کو محسوس کرتا ہے تو اس کے دلی تعلق میں اضافہ ہوتا ہے۔ اگر محبت کرنے والے آدمی کو یہ احساس ہو کہ اس کے خلوص و محبت کی کوئی قدر نہیں تو اس کا دل بجھنے لگتا ہے اس لیے جب بھی ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کی کوئی مدد کرے یا اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرے یا اس سے کوئی اچھی بات کہے یا اس کو کوئی ہدیہ دے تو اس مسلمان بھائی کا فرض ہے کہ وہ اس پر اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کرے اور اس طرح اس کو یہ بتا دے کہ وہ خلوص و محبت کی ہر ادا کی قدر و قیمت اپنے دل میں خوب محسوس کر رہا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں صحابہؓ بیان کرتے ہیں، جب کوئی آپؐ کی خدمت میں کوئی چیز پیش کرتا تو آپ اس کا شکریہ ادا کرتے اور آپ اس کو قبول کر لیتے اور جب کوئی آپؐ کا کام کر دیتا تو اس پر اپنے اطمینان کا اظہار کرتے۔ (شمائل ترمذی)

۱۴- ساتھ مل کر کھانا

کھانے میں ایک دوسرے کے ساتھ شرکت اور ایک دوسرے کو اپنے گھر کھانا کھانے کی دعوت دینا بھی خلوص اور محبت کے جذبات کے اظہار کا ایک عملی طریقہ ہے۔ ایسے مواقع پر نہ صرف یہ کہ بے تکلفی سے گفتگو کے مواقع ملتے ہیں بلکہ جب ایک مسلمان بھائی اپنے بھائی کو اپنے گھر پر کھانا کھانے کی دعوت دیتا ہے تو جس شخص کو مدعو کیا جاتا ہے اس کے دل میں یہ احساس پیدا

ہو جاتا ہے کہ میرا بھائی میرے لیے اپنے دل میں جذبات رکھتا ہے اور یہ احساس جہاں بھی پیدا ہو جائے تعلق کے مزید استحکام کا ضامن ہے۔ صحابۂ کرامؓ آپس میں بھی ایک دوسرے کو اکثر مدعو کرتے رہتے تھے اور نبی کریمؐ کو بھی اکثر مدعو کرتے رہتے تھے۔ خود نبی کریم کے پاس کھانے کی کوئی چیز ہوتی یا کہیں سے آتی تو آپؐ پوری مجلس کو اس میں شامل کر لیتے دعوت اور باہم ساتھ مل کر کھانے میں بھی وہ چیزیں سامنے رکھنا ضروری ہیں جو ہدیے کے ضمن میں آ چکی ہیں۔ پہلے یہ کہ دعوت پُر تکلف کھانوں کو ہی نہیں کہتے بلکہ ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق کھلائے خواہ وہ روزانہ کا کھانا ہو لیکن اس سلسلہ میں کچھ تخصیص اگر برتی جا سکے تو دل پر اچھا اثر ڈالتی ہے۔ جس شخص کو دعوت دی جائے اس کا فرض ہے کہ اس کو قبول کر لے اور شکر و اطمینان اور خوشی کے اظہار کے ساتھ قبول کرے اور آخری یہ کہ ہدیہ کی طرح دعوت کے بدل کی بھی کوشش ہونی چاہیے۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی سامنے رکھنی چاہیے کہ شروع میں مسلمانوں کے دلوں میں اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے گھروں میں کھانا کھانے سے جھجک اور رکاوٹ پائی جاتی تھی۔ اس سلسلہ میں خود قرآن میں سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ نے آیات نازل کر کے اس جھجک کو دور کیا اور بے تکلفی پیدا کی۔

۱۵- دعا

دعا ایک ایسی چیز ہے جو ایک طرف تو بہت سے حقوق کو ایک مخصوص پہلو سے اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے جن پر ہم گفتگو کر آئے ہیں۔ اور دوسری طرف ایک نئے پہلو سے الفت و محبت کا سبب بنتی ہے۔ دعا میں ایک مسلمان اپنے بھائی کے لیے اپنے رب سے اس کی رحمت و مغفرت طلب کرتا ہے۔ اس کی بھلائی کا خواست گار ہوتا ہے اور اس کے اصلاحِ احوال کی درخواست کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ ہر مسلمان اس پر یقین رکھتا ہے کہ معاملات کی اصل کنجی اللہ کے ہاتھ میں ہے اور جب وہ اپنے بھائی کو دیکھتا ہے کہ وہ اس کے لیے اپنے رب کے آگے دستِ سوال دراز کر رہا ہے تو وہ بے انتہا متاثر ہوتا ہے۔

دعا غائبانہ بھی ہوتی ہے اور رُو در رُو بھی۔ دعا کی ایک صورت وہ سلام ہے جس کی مکمل صورت میں انسان اپنے بھائی کے لیے سلامتی و رحمت اور برکت کا طالب ہوتا ہے۔ پھر ایک

مسلمان پر دوسرے مسلمان کا یہ بھی حق ہے کہ اگر وہ چھینکے اور الحمدللہ کہے تو اس کے لیے رحمت کی دعا کی جائے (یرحمک اللہ) پھر اپنے مسلمان بھائی کا جنازہ بھی ایک حق ہے اور یہ بھی دعا کی ایک صورت ہے۔ عیادت کا جو مسنون طریقہ ہے اس میں بھی دعا ہے۔

دعا اگر رُودَرُو ہو یا جس کے لیے دعا کی جائے اس کے علم میں ہو تو اس پر سب سے پہلا نتیجہ تو یہ مرتب ہوتا ہے کہ وہ اپنے بھائی کی دلی خیر خواہی اور محبت کا قائل ہو جاتا ہے۔ دونوں کے نزدیک اصل مقصود بہر حال اللہ کی رحمت ہوتی ہے اور جب وہ دیکھتا ہے کہ میرا بھائی میرے لیے نہ صرف عملی طور پر بھلائی کی کوشش کرتا ہے۔ بلکہ میری حاجتوں کو اسی طرح اللہ کے سامنے پیش کرتا ہے جس طرح اپنی حاجتیں اور میرے دکھ، درد پر اسی طرح تڑپ کر اپنے مالک کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے جس طرح اپنے دل درد پر، میری خامیوں اور گناہوں پر اسی طرح مغفرت کا طالب ہوتا ہے جس طرح اپنے گناہوں پر۔ اور میرے لیے اس کی رضا اور رحمت کا اسی طرح طلب گار ہے جس طرح اپنے لیے۔ اور پھر جب وہ یہ بھی دیکھتا ہے کہ میرا بھائی اتنا خیال رکھتا ہے کہ اچھے موقعوں پر تنہائیوں میں جب وہ اور صرف اس کا رب ہوتے ہیں، میں اسے یاد رہتا ہوں، تو پھر اس کے دل میں اپنے لیے دعا کرنے والے بھائی کی محبت پیدا ہوتی ہے اور اس طرح اس دعا سے پورے فوائد حاصل ہوتے ہیں جو اظہار جذبات میں ہوتے ہیں۔

دوسری طرف دعا کرنے والا جب کوشش کر کے دوسروں کو دعا میں شریک رکھتا ہے تو اس کے قلبی تعلق میں اضافہ ہوتا ہے اور ساتھ ہی تعلقات میں پاکیزگی آتی ہے۔

مغفرت و رحمت اور حاجت روائی اور مشکلات کو دور کرنے کی دعاؤں کے ساتھ اپنے بھائی کے لیے راہِ حق پر استقامت کی دعا اور باہمی الفت کی بھی تلقین کی گئی ہے۔

اَللّٰھُمَّ اَلِّفْ بَیْنَ قُلُوْبِنَا وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَیْنِنَا۔

اسی طرح دلوں میں ناگواری، غبار یا کدورت کے دور ہونے کی دعا کی بھی تلقین کی گئی ہے۔ اس لیے کہ دلوں میں ایک دوسرے کی طرف سے کدورت، کینہ یا شکایت ایسی بیماری ہے جس کے لیے گڑگڑا کر دعا مانگنی چاہیے۔

رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ

فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝

(الحشر:۱۰)

اے رب ہم کو اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ایمان میں ہم سے سبقت لے گئے ہیں۔ اور ہمارے دلوں میں ایک دوسرے کی طرف سے کینہ نہ رہنے دے۔

اگر اپنے بھائی کا نام لے کر یا اس کا خیال کر کے دعا کی جائے تو اس سے مزید تعلق پیدا ہوتا ہے۔ خود اپنے طور پر اپنے بھائی کے لیے رحمت کی دعا کرنا، اللہ تعالیٰ سے اس کی الفت و محبت کا سوال کرنا اور تعلقات کو خرابی سے بچانے کے لیے گڑگڑانا تو ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر حق ہے لیکن ایک دوسرے سے اپنے لیے دعا کی درخواست کرنا اور دعاؤں میں شریک رکھنے کی تمنا کا اظہار بھی تعلقات کے لیے مفید ہوتا ہے۔

مثلاً نبی کریمؐ نے یہ فرمایا کہ "جب اپنے بیمار بھائی کے پاس عیادت کے لیے جاؤ تو اس سے بھی اپنے لیے دعا کراؤ، اس لیے کہ اس کی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔"

اسی طرح جب حضرت عمرؓ حج کو جا رہے تھے تو آپؐ نے چند الفاظ کہے جن کے بارے میں ان کا کہنا یہ ہے کہ "یہ مجھے اپنی پوری زندگی میں سب سے زیادہ عزیز ہیں۔" اور وہ الفاظ یہ ہیں۔

"اے ہمارے بھائی! ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا۔"

۱۶- بہتر طریقہ سے جواب دینا

ایک مسلمان کی یہ کوشش ہونی چاہیے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی محبت و خلوص کا جواب اس سے زیادہ اور بہتر خلوص و محبت سے دے۔ اس لیے بھی کہ کوئی تعلق یک طرفہ محبت سے پروان نہیں چڑھ سکتا اور اس لیے بھی کہ اس طرح دوسرے بھائی کا دل مطمئن رہتا ہے کہ اس کی محبت نہ تو ضائع کی جا رہی ہے اور نہ اس کی ناقدری ہو رہی ہے۔ سلام کا جواب بہتر سلام سے دینے ہدیہ کا جواب بہتر ہدیہ سے دینے اور ایک اچھی بات کا جواب ایک اچھی بات سے کہنے میں" کی ہدایات اسی اصول پر روشنی ڈالتی ہے۔ اس سلسلہ میں رسول اللہ کی یہ حدیث بھی سامنے رہنی چاہیے۔

"دو محبت کرنے والوں میں بہتر وہ ہے جو اپنے بھائی کے لیے زیادہ محبت کرے۔"

اگر اپنے بھائی کی محبت کے جواب میں بہتر جواب ممکن ہو تو کم از کم برابر کا ہی جواب ہونا چاہیے اور ساتھ ہی اپنی کوتاہی کا اعتراف بھی دل کو متاثر کرتا ہے۔

۱۷- صلح کرنا اور شکایت دور کرنا

تعلقات کی بنیاد کو ذہن میں رکھنے اور ان تمام تدابیر کو اختیار کرنے میں جو ایک طرف تعلقات کو خراب ہونے سے بچاتی ہیں اور دوسری طرف ان میں لطف و محبت اور الفت کے جذبات پیدا کرتی ہیں۔ بہت سی کوتاہیاں اور خامیاں سرزد ہوتی ہیں۔ کسی انسان کے لیے بھی یہ ممکن نہیں کہ اس سے کبھی بھی کسی غلطی کا صدور نہ ہو۔ پھر تعلقات چوں کہ اسلامی انقلاب کے لیے ضروری ہیں۔ اس وجہ سے شیطان بھی اس مورچہ پر بڑا سرگرم رہتا ہے اور مستقل ان تعلقات کو خراب کرنے کی اور ان میں فساد پیدا کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ تعلقات کے بارے میں جو باتیں کہی گئی ہیں۔ ان کو اگر سامنے رکھا جائے اور اس اصول پر ہمیشہ اپنے آپ کو پرکھا جائے کہ اپنے بھائی کو اپنی جانب سے کوئی جسمانی ایذا یا دل آزاری نہ ہونے دو۔ خواہ یہ دل آزاری زبان سے ہو یا عمل سے، ہر وہ تدبیر اختیار کرنے کی کوشش کرو جس سے تم اپنے بھائی کی مدد کر سکو خواہ دینی مدد ہو یا دنیاوی۔ اور اپنے خلوص و محبت کو پوری طرح ظاہر کرو اور دوسرے کے خلوص و محبت کے جواب میں اس سے زیادہ خلوص و محبت یا اتنے ہی خلوص کو پوری طرح ظاہر کرو کہ تم اس کی قدر و قیمت کو اچھی طرح محسوس کرتے ہو تو اس اصول پر عمل کے بعد شیطان کو مشکل ہی سے دراندازی کرنے کا موقع ملے گا۔ پھر بھی اگر تعلقات میں خرابی پیدا ہوتی نظر آئے تو چند چیزیں ہر مسلمان بھائی کو اپنے سامنے رکھنی چاہئیں اور ان کو سامنے رکھنے کے بعد اگر کوئی خرابی پیدا ہو گی بھی تو وہ آسانی دور کی جا سکتی ہے۔ تعلقات کی خرابی کی بنیاد عام طور پر وہ شکایات بنتی ہیں جو ایک مسلمان بھائی کے دل میں دوسرے بھائی کی طرف سے پیدا ہوتی ہیں۔ شکایتیں پیدا ہونے کی بنیادیں بہت سی ہو سکتی ہیں اور اس حصہ میں جن چیزوں پر گفتگو کی گئی ہے وہ انہی بنیادوں کو ختم کرتی ہیں۔ ہر ایک شکایت میں جو چیز مشترک ہوتی ہے وہ یہ کہ جب کسی مسلمان کے دل کو اپنے بھائی کے کسی قول یا فعل سے تکلیف پہنچتی ہے تو شکایت پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر بات بڑی ہو تو یہ شکایت خود خرابیٔ تعلقات کے لیے کافی ہوتی ہے اور اگر چھوٹی ہو تو کئی چھوٹی چھوٹی باتیں مل کر ایک شدید احساس پیدا کر دیتی ہیں۔ اس سلسلہ میں وہی باتیں پیش نظر رکھنی چاہئیں جو بدگمانی کے ضمن میں کہی گئی ہیں:

ایک یہ کہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو شکایت کا موقع فراہم نہ ہونے دے۔ اسے

اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ اس سے دوسرے کے دل کو کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

دوسرے یہ کہ ہر مسلمان کو اپنے بھائی کے ساتھ وسیع القلبی سے پیش آنا چاہیے۔ حضور اکرمؐ کی اعلیٰ اخلاقی تعلیم کو ملحوظ رکھنا چاہیے اور حتی الوسع اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ کوئی شکایت پیدا نہ ہو اور اگر پیدا ہو تو فوراً اسے دل سے محو کر دیا جائے۔

تیسرے یہ کہ ان دونوں باتوں کے باوجود اگر شکایت پیدا ہو جائے تو پھر اس بات کو کبھی دل میں نہ رکھنا چاہیے۔ اگر بھلانے میں کامیاب نہ ہو تو خواہ چھوٹی بات ہو یا بڑی فوراً اس کو اپنے بھائی پر ظاہر کر دے۔ اپنے بھائی کی طرف سے دل میں ذرا سا بھی میل رکھنا اور اس کے دل کے غبار کے ساتھ اس سے ملنا بدترین کردار ہے۔ اس میں کوئی تاخیر نہیں ہونی چاہیے بلکہ دل کی صفائی کی اصلاح کی فوراً کوشش کرنی چاہیے۔

چوتھے یہ کہ جس کو شکایت بتائی جائے وہ اس پر ناراض نہ ہو اور ناک بھوں نہ چڑھائے بلکہ اپنے بھائی کا شکر گزار ہو جس نے خیانت کا ارتکاب کرنے کے بجائے اس پر ظاہر کر دیا، پیٹھ پیچھے نہ کہا۔ اور پھر یہ کہ تعلق کو اتنا قیمتی سمجھا کہ ذرا بات بھی ہوئی تو فوراً اصلاح کی کوشش کی اور اسے اصلاح کا موقع دیا۔

پانچویں یہ کہ جب اس کو معلوم ہو جائے کہ اس کے بھائی کے دل میں کوئی شکایت ہے تو فوراً اصلاح کی کوشش کرے۔ جتنی مدت گزرتی ہے اتنی ہی خرابی جڑ پکڑتی جاتی ہے اور جتنا تازہ تازہ فتنہ کو کچل دیا جائے اتنا ہی بہتر ہوتا ہے۔ پھر اگر واقعی اس سے غلطی ہوئی تو اس غلطی کا کھلے دل سے اعتراف کرے اور اس پر اپنی ندامت کا اظہار کرے۔ اگر اس غلطی کے لیے کوئی عذر ہو تو وہ پیش کرے اور اگر غلطی نہ ہوئی ہو بلکہ کوئی غلط فہمی ہو یا اس کے کوئی معقول عذر ہوں تو غلط فہمی کو صاف کر دینے کی کوشش کرے، اس سلسلہ میں انجیل میں حضرت مسیح کے یہ الفاظ ایک مسلمان کے اس فریضہ پر مؤثر ترین انداز میں روشنی ڈالتے ہیں:

> پس اگر تو قربان گاہ پر اپنی نذر گزارتا ہو اور وہاں تجھے یاد آئے کہ میرے بھائی کو مجھ سے شکایت ہے تو وہیں قربان گاہ کے آگے ہی اپنی نذر چھوڑ دے اور جا کر اپنے بھائی سے ملاپ کر، تب اپنی نذر گزران۔"

یہ بڑے پتہ کی بات کہی گئی ہے۔ تمھارا بھائی تم سے ناراض ہو تو تمھارا ایک بہتر انسان

بننا اور تمھارے تعلقات کا تمھارے بھائی سے خوش گوار بنیاد پر قائم ہونا مشکل ہے۔ ہم اللہ کو جب ہی خوش کر سکتے ہیں جب عبادت کا اصل مقصد پورا ہو۔ اس لیے نذر پیش کرنے سے پہلے اپنے بھائی کی شکایت دور کر کے اصلاح حال کی کوشش کرنا چاہیے اور اس کام میں دیر نہ کرنا چاہیے۔

اور چھٹی بات یہ کہ جب ایک مسلمان بھائی اپنی غلطی کا اعتراف کرے تو اس کو معاف کر دینا اس کا حق ہے جس سے دست کش نہ ہونا چاہیے اور اگر وہ معذرت پیش کرے تو اس کو معذور سمجھنا اور اس کا عذر قبول کر لینا بھی اس کا حق ہے اور اگر وہ غلط فہمی کی صفائی میں کوئی بات پیش کرے تو اس کی بات پر یقین کر لینا بھی اس کا حق ہے۔ اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سامنے رکھنا چاہیے:

> ''جس نے اپنے کسی مسلمان بھائی سے اپنی غلطی پر عذر کیا اور اس نے اس کو معذور نہ سمجھا یا اس کے عذر کو قبول نہ کیا اس پر اتنا گناہ ہوگا جتنا ایک ناجائز محصول لینے والے پر اس کے اس ظلم کا ہوتا ہے۔''

ان ہدایات پر عمل اس وقت ممکن ہے جب انسان اپنے تعلقات کی قدر و قیمت کو اچھی طرح محسوس کرتا ہو اور اس کے دل میں اپنے بھائی اور اپنے بھائی کے جذباتِ محبت کی قدر ہو اور ساتھ ہی اسے اچھی طرح یہ احساس ہو کہ تعلقات کی خرابی کتنا بڑا گناہ ہے۔ پہلی چیز کو حصہ اول کی گفتگو اور اسی حصہ کے دوسرے جزو کی گفتگو کے بعد اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے۔ دوسری چیز کے بارے میں بتا چکا ہوں کہ نبی کریمؐ نے ان تعلقات کی خرابی کی اہمیت کو اس طرح واضح کیا کہ یہ ایک مونڈ دینے والا استرہ ہے جو پورے کے پورے دین کا صفایا کر دیتا ہے۔ اور جو شخص یہ جانتا ہو کہ اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے وہ لازماً اپنے دین کو ہر قیمت پر محفوظ رکھے گا اور جو اپنے دین کو محفوظ رکھنا چاہے گا وہ حسبِ استطاعت ان تعلقات کو کبھی خراب نہ ہونے دے گا۔ ایک دوسرے سے ناراض رہنے اور انقطاعِ تعلق کے بارے میں نبی کریمؐ نے جو تنبیہات کی ہیں وہ بڑی مؤثر اور بڑی سخت ہیں۔ ایک دفعہ آپؐ نے فرمایا کہ:

> لَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ اَنْ يَّهْجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ يَّلْتَقِيَانِ فَيُعْرِضُ هٰذَا وَيُعْرِضُ هٰذَا وَخَيْرُهُمَا الَّذِىْ يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ.
>
> (بخاری و مسلم عن ابی ایوب انصاری ص: ۴۲۷)

کسی مسلمان کے لیے یہ بات حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ ناراض ہو کر چھوڑ دے۔ دونوں ملیں تو ایک اپنا منھ ادھر کرے اور دوسرا ادھر پھیرے۔ ان دونوں میں بہتر وہ شخص ہے، جو سلام سے ابتدا کرے (یعنی خفگی دور کر کے مصالحت کی ابتدا کرے)

اس سے مصالحت میں پہل کرنے کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ کے ہاں ایسے دو مسلمان بندوں کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

تُعْرَضُ اَعْمَالُ النَّاسِ فِیْ کُلِّ اُسْبُوْعٍ مَرَّتَیْنِ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ وَیَوْمَ الْخَمِیْسِ فَیُغْفَرُ لِکُلِّ عَبْدٍ مُّؤْمِنٍ اِلَّا عَبْدًا بَیْنَهٗ وَبَیْنَ اَخِیْهِ شَحْنَاءُ فَیُقَالُ اُتْرُکُوْا هٰذَیْنِ حَتّٰی یَفِیْا۔

(مسلم عن ابی ہریرہ، مشکوٰۃ ۴۲۸)

لوگوں کے اعمال ہفتہ میں دو دن پیر اور جمعرات کو پیش ہوتے ہیں اور ہر بندۂ مومن کو بخش دیا جاتا ہے سوائے اس کے کہ جس کی اپنے مسلمان بھائی سے کوئی عداوت ہو۔ کہا جاتا ہے کہ ان کو کچھ دن کے لیے چھوڑ دو تا کہ آپس میں صلح کریں۔

جو شخص تین دن تک اپنے بھائی کو چھوڑے رکھے۔ اس کے بارے میں آپؐ نے فرمایا کہ:

لَا یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ یَّهْجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ فَمَنْ هَجَرَ فَوْقَ ثَلَاثٍ فَمَاتَ دَخَلَ النَّارَ (احمد، ابوداؤد عن ابی ہریرہ مشکوٰۃ ۴۲۸)

کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ کے لیے چھوڑ دے، جو شخص تین دن سے زیادہ الگ رہا اور اس عرصہ میں مر گیا تو وہ دوزخ میں جائے گا۔

اور آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ:

وَمَنْ هَجَرَ اَخَاهُ سَنَةً فَهُوَ کَسَفْکِ دَمِهٖ۔

(ابی داؤد عن ابی ہریرہ وابی خراش السلمی، مشکوٰۃ)

جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو ایک سال کے لیے ترک کر دے تو وہ ایسا ہے جیسا کہ اس نے اس کا خون بہایا (یعنی اتنا گناہ ہوگا)

اس سلسلہ میں ایک صورت حال یہ ہوسکتی ہے کہ ایک فریق نے اصلاحِ حال کی ہر کوشش کر کے ترکِ تعلق کیا ہو یا یہ کہ جھگڑے میں وہ حق پر ہو، اس صورت میں عقلاً و شرعاً اس پر گناہ عائد نہیں ہوتا۔ لیکن اس صورت میں بھی اس کی ترغیب دی گئی ہے کہ وسیع القلبی سے کام لیتے ہوئے اپنے بھائی کو معاف کر دیا جائے اور حق پر ہوتے ہوئے بھی نزاع ترک کر دی جائے۔ رسول اللہ ایک حدیث میں ترک نزاع کی ترغیب اس طرح دیتے ہیں:

مَنْ تَرَكَ الْمِرَآءَ وَهُوَ عَلٰى حَقٍّ بُنِيَ لَهٗ بَيْتٌ فِي وَسْطِ الْجَنَّةِ وَمَنْ حَسَّنَ خُلُقَهٗ بُنِيَ لَهٗ فِيْ اَعْلَاهَا۔

(ترمذی عن حسن مشکوٰۃ ۴۱۳)

جس نے نزاع اور جھگڑا ترک کر دیا حالانکہ وہ حق پر ہے، اس کے لیے جنت کے وسط میں ایک محل بنایا جاتا ہے اور جس نے اپنا اخلاق بہتر بنایا اس کے لیے جنت کی بلندیوں پر محل بنایا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ حسنِ اخلاق کی انتہائی اعلیٰ منزل عفو ہے جس کے بدلے انسان جنت کی اعلیٰ ترین بلندی پر جگہ کا مستحق قرار پائے گا۔

صلح کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمان بھائی اور مسلمان معاشرہ کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ دو بھائیوں کے درمیان تعلقات پر نگاہ رکھے اور جہاں خرابی محسوس ہو اس کی اصلاح کر دے۔ اس لیے کہ اس اصلاح پر ہی تعلقات کا انحصار ہے اور یہ تعلقات ہی معاشرہ کی زندگی اور روح ہے۔ قرآن نے اس اصلاح کا یوں حکم دیا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ (حجرات:۱۰)

اور زیادتی کرنے والے فریق سے لڑائی تک کی بھی ہدایت کی ہے۔

رسول اللہؐ نے ایک دفعہ صحابہؓ سے پوچھا۔ ''میں تمھیں وہ عمل بتاؤں جس کا ثواب درجہ میں روزہ، صدقہ، نماز کے ثواب سے زیادہ ہے؟'' صحابہؓ نے کہا۔ ''ہاں یا رسول اللہ، ضرور بتایئے۔'' فرمایا۔

اِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ وَفَسَادُ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِقَةُ۔

(ابوداؤد، ترمذی عن ابی الدرداء ص:۴۲۸)

لوگوں کے درمیان (تعلقات کی) اصلاح کرنا، اور لوگوں کے درمیان تعلقات میں خرابی ڈالنا دین کو مونڈ ڈالنا ہے۔

اور اس سلسلہ میں مزید یہ فرمایا (حالانکہ جھوٹ کے بارے میں اسلام کی روش بڑی سخت ہے) کہ:

لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِيْ يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ وَيَقُوْلُ خَيْرًا وَيَنْمِيْ خَيْرًا۔ (بخاری، مسلم، عن اُمِ کلثوم، مشکوٰۃ ۴۲۸)

وہ شخص جھوٹا نہیں جو لوگوں کے درمیان صلح کرائے اور بھلی بات کہے یا بھلی بات پہنچائے۔

یعنی ایک طرف سے دوسری طرف ایسے اچھے جذبات منتقل کرے جو فی الحقیقت ظاہر نہ کیے گئے ہوں اور جن کا اس طرح منتقل کرنا اصلاح کا سبب بن سکتا ہو۔ اس میں بہتر یہ ہے کہ بات اس انداز میں کی جائے کہ الفاظ میں جھوٹ نہ ہو۔ ایک ایک شخص دوسرے کی محبت اور خیر خواہی کا قائل ہو جائے۔

ان ہدایات کی روشنی میں اگر مسلمان خود بھی شکایت کا موقع نہ دیں اور اصلاح کی کوشش کرتے رہیں اور معاشرہ بھی چوکس رہے تو شیطان کو دراندازی کا موقع مشکل ہی سے مل سکتا ہے۔

تتمہ

اخوت، اُلفت، ولایت اور پیار و محبت کے تعلقات، ایمان کی ایک شرط اور اس کا لازمی تقاضا ہیں۔ جتنا مقصد عزیز ہوگا اتنا ایک بھائی کے لیے اپنے بھائی سے اخوت کا تعلق عزیز ہوگا۔ جب کہ ایک کا دکھ درد، دوسرے کا دکھ درد اور ایک کی تکلیف دوسرے کی تکلیف، ایک کی پریشانی دوسرے کی پریشانی اور ایک کی خوشی دوسرے کی خوشی بن جائے تو تعلقات ایک پہلو سے اپنے معیار کو پہنچ جاتے ہیں۔ اور جب اس کے ساتھ رحمت بھی پیدا ہو جائے اور دینی خیر خواہی بھی تو پھر تعلقات ہر لحاظ سے معیاری ہو جاتے ہیں اور ایسے تعلقات ہی ایک جماعت اور تحریک کو وہ زندگی اور حرارت بخشتے ہیں جو اس کی کامیابی کی ضامن ہوتی ہے۔ یہ نعمتِ عظمیٰ جہاں ان تمام شرائط و تدابیر کو ملحوظ رکھنے سے نصیب ہوتی ہے جو خدا اور خدا کے رسولؐ نے بتائی ہیں وہاں اس کے لیے توفیقِ الٰہی بھی ضروری ہے۔ اس لیے کہ یہ خاص عطیۂ ربانی ہے۔ پس تدابیر کے ساتھ اپنے رب سے گڑگڑا کر التجا کرنی چاہیے کہ وہ ان تعلقات کو خرابی سے محفوظ اور ان میں الفت و محبت پیدا کرے۔

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ (انفال:۶۳)

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (الحشر:۱۰)